© rasailojaraid.com

اِسلام کا نظام قضاء

مولانا مفتی عبداللطیف صاحب مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

قضاء کے لغوی معنی: لغت میں قضاء بمعنی انقطاع ہے۔ کہا جاتا ہے قَضَیٰ فُلَانٌ نَحْبَہ یعنی فلاں مرگیا۔ اس کی زندگی منقطع ہوگئی۔ قضیٰ فلان دَیْنَہٗ: فلاں نے اپنا قرض ادا کردیا یعنی قرض خواہ کے مطالبہ کو قطع کردیا۔ قرآن کریم میں اس کا فعل متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ بمعنی ارادہ " واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون " (بقرہ آیت ۱۱۷)
(یعنی رب تعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ فرماتا ہے تو کہتا ہے ہو جا وہ ہو جاتا ہے)۔

۲۔ وقت مقرر کرنا۔ ھو الذی خلقکم من طین ثم قضیٰ اجلاً (سورہ انعام آیت ۲)
یعنی وہ تو وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری موت کا وقت مقرر کردیا۔

۳۔ حاجت پوری کرنا " فلما قضیٰ زید منہا وطراً " یعنی جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی (سورہ احزاب آیت ۳۷) ۴۔ ادا کرنا " اِذَا قَضَیتم مناسککم " یعنی جب تم مناسک حج ادا کرلو (سورہ بقرہ آیت ۲۰۰) ۵۔ حکم دینا فیصلہ کرنا " والذی فطرنا فاقضِ ما انت قاض " قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا تو نے جو حکم دینا ہے دیدے انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا (تو صرف ہماری اس دنیاوی زندگی ہی کے بارے میں فیصلہ دے سکتا ہے۔ (سورہ طٰہٰ آیت ۷۲) اس آیت کریمہ میں قضاء بمعنی حکم فی المنازعات استعمال ہوا ہے قضاء کا اصطلاحی معنی بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکم دینا۔ فیصلہ کرنا ہے۔

قضاء کے اصطلاحی معنی: ابن خلدون نے کہا: المقضاء ... منصب الفصل بین الناس فی الخصومات حتما للتداعی وقطعا للتنازع"

یعنی قضاء ایک منصب ہے لوگوں کے درمیان ان کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے کا ان کے تنازعات و تداعی کو ختم کرنے کے لیئے۔

جرجانی تعریفات میں لکھتے ہیں: [۳] المقضاء فی الخصومة هو اظهار ماهو ثابت" یعنی قضاء تنازع میں امر ثابت کا اظہار ہے۔

ابن فرحون نے تبصرۃ الحکام میں کہا "حقیقة القضاء الاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الالزام" یعنی قضاء کی حقیقت بطور الزام کے حکم شرعی کی خبر دینا ہے۔ جب کہا جاتا ہے قَضَیٰ القَاضِی تو اس کا مطلب الزام حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلما قضینا علیه المَوْتَ (سورہ سبا ہ آیت [۱۴]) یعنی جب ہم نے موت ان کو لازم کر دی۔

اہمیّت قضاء

حکومت اور ریاست کے قیام میں قضاء کو اہم ترین سمجھا گیا ہے۔ جمہوریت کے تین ستونوں میں سے یہ اہم ترین ستون ہے ارسطو نے عدل کو قوام عالم قرار دیا۔ امیر عبداللہ بن طاہر والی مصر ۲۱۱ھ نے کسی عابد سے پوچھا۔ یہ دولت عباسیہ ہم میں کب تک قائم رہے گی تو اس نے جواب دیا "تبقی وتدوم مادام بساط العدل والانصاف مبسوطا فی هذا الایوان۔ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیر وا ما بانفسهم"۔ یعنی جب تک یہاں عدل وانصاف کی بساط بچھی رہے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدل لیں۔

مثال مشہور ہے العدلُ أساسُ الملكِ ملک وسلطنت کی بنیاد عدل ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے: واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین (حجرات آیت ۹)

ارسطو کے زمانہ سے آج تک تمام ترقی یافتہ اقوام اور آسمانی ادیان نے قضاء کی تقدیس و احترام کو لازم قرار دیا ہے۔ حکم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے فرمایا: ان الحکم الا للہ یقص الحق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وھو خیر الفاصلین (نساء آیت ۱۰۴)

واللہ یحکم لا معقب لحکمہ وھو سریع الحساب (الرعد آیت ۴۳)

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صفت حکم سے مشرف فرمایا:

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک

اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (انعام آیت ۱۰۷)

قل امر ربی بالقسط (اعراف آیت ۲۸) عدل وانصاف کا قیام ہر مہذب و متمدن انسانی معاشرہ کی اولین ضرورت اور ہر مہذب و متمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ ظلم و استحصال کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد بھی اسی کو سمجھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر پیغمبروں اور رسولوں کے مشن پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط (سورہ حدید، ۲۵) اسی اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسول اور بحیثیت سربراہ ریاست معاشرہ میں عدل وانصاف کے قیام و اجراء کے ذمہ دار تھے اور اسی لیے صیغہ عدالت ریاست نبوی کا ایک مستقل اور اہم ترین شعبہ تھا۔

عہد نبوی میں عدالت و قضاء کے تمام اختیارات اور قانون اسلامی کا نفاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا اور آپ شارع حقیقی کے حکم کے بموجب فیصلے فرماتے تھے آپ کے لئے حکم یہ تھا کہ وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین

نیز حکم ہے:

وان احکم بینھم بما انزل اللہ (مائدہ)

سورۃ شوریٰ میں ہے: امرت لاعدل بینکم۔ ان ہدایات کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست نبوی میں انصاف رسانی کے موثر اقدامات فرمائے۔ مرکز میں آپ خود ہی گویا قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم تھے۔ تمام مقدمات آپ کی عدالت میں پیش ہوتے تھے اور بالعموم مسجد نبوی کو ہی ایوان عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ نیز چونکہ لوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا اور ان کے نزاعات کا فیصلہ کرنا آپؐ کا فرض منصبی تھا اور ریاست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں امن واتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیئے بھی یہ امر ناگزیر تھا۔ اس لیئے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متحارب گروہوں کو شیر وشکر کرنے کے بعد سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا تھا کہ عدل وانصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اٹھا کر مرکزی معاملہ بنا دیا اور انصاف رسانی کے لیئے سادہ لیکن موثر طریقہ کار اختیار کیا۔ پھر یہی وہ مقام بھی تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری عدالت مرافعہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قاضی اور حکم کی حیثیت سے آپؐ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ اس کا جواب دے دیتے اس قسم کے سوال وجواب کے لیئے (جس کو ہم فتویٰ کہہ سکتے ہیں) کوئی وقت اور مقام مقرر نہ تھا۔ ہر لمحہ اور ہر آن آپ اس فریضے کو انجام دیتے رہتے تھے۔ آپ کے یہ فتاویٰ احادیث میں پوری طرح محفوظ ہیں۔ جس پر بحث ہمارے دائرہ سے خارج ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ کار یہ تھا کہ جب کسی معاملہ میں کتاب اللہ کا حکم موجود نہ ہوتا تو آپ اپنی بصیرت واجتہاد سے فیصلہ دیتے یا صحابہ سے مشورہ فرما کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے۔ پھر وہی فیصلہ اسلام کا قانون اور حکم بن جاتا۔ لیکن اپنے ذاتی اجتہاد اور فیصلوں کے سلسلہ میں آپ نے علی الاعلان یہ وضاحت کر دی تھی کہ:

انما انا بشر و انکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض نا قضی لہ علی نحو ما سمع منہ فمن قضیت لہ بشی من حق اخیہ فلا یأخذ منہ شیئا فانما اقطع لہ قطعة من النار۔

ترجمہ: جہاں تک فیصلوں کے نفاذ کا تعلق ہے تو اس کے لیئے آپ اپنی طرف سے نائبین بھی مقرر فرماتے تھے مثلاً ایک زانیہ کے مقدمہ میں انیس الاسلمی کا تقرر فرمایا تھا۔

اثبات دعویٰ

مقدمات کے باب میں اثبات دعویٰ کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم

(اگر لوگوں کے دعوے یوں ہی تسلیم کر لئے جائیں تو عدالتوں میں خون کے اور مال کے بہت سے دعوے دائر ہو جائیں۔

بہر حال قانونی نقطہ نظر سے صرف وہی دعویٰ معتبر ہے جو ثابت ہو جائے اس لیئے آپ لوازمات ثبوت کے لیئے جن ذرائع کو استعمال فرماتے تھے ان میں سے ایک بینہ یعنی شہادت ہے۔شہادت یا بینہ کا قاعدہ نہ صرف دور جاہلیت میں معروف و متداول تھا بلکہ دور جدید میں بھی ہے چنانچہ المجلہ کی عبارت یہ ہے کہ:

البینۃ علی المدعی۔ الیمین علی من انکر جس کی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔

البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعی علیہ او علی من انکر۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بینہ کے ساتھ ساتھ یمین کو معتبر ٹھہرایا۔

علاوہ ازیں قیافہ شناسی اور فراست کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوازمات ثبوت میں شمار کیا ہے اور بعض اوقات اس سلسلہ میں آپ نے ظاہری حالات و دلائل قرعہ اندازی اور قسامت کا بھی اعتبار فرمایا ہے۔غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کوشش اس بات پر مرکوز تھی کہ انصاف سہل الحصول ہو اور اس معاملہ میں تعصب یا جانبداری سے کام نہ لیا جائے۔قرآن میں بھی متعدد مقامات پر غیر جانب دارانہ عدل کی ہدایات دی گئی ہیں اس کے پیش نظر آپ کے نزدیک قانون ہر ایک پر یکساں طور پر پر عائد ہوتا تھا، حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا۔

فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔

۷ ۔ اور یہ اس سیاسی اور قانونی مساوات کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست میں قائم فرمایا تھا۔اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صیغہ عدالت کے ذریعہ ریاست کے تمام شہریوں کے حقوق امن و آزادی اور مساوات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا تحفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسی تندہی کے ساتھ فرماتے تھے۔ یہاں یہ وضاحت بے محل نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ریاست نبوی میں قانون کا اجراء و نفاذ معاشرہ کے اخلاقی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہوا اور یوں قانون کے ساتھ اُسکی اصل روح عمل کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئی۔ غالباً اسی لیے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی حکم جاری ہوتا تھا یا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو اسے فی الفور تسلیم کرلیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ محض ایک قانونی معاملہ نہ تھا بلکہ دین وایمان کا ایک اہم تقاضا بھی تھا جس کی شہادت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے کہ: فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما گویا نفاذ قانون کے لیئے ریاست کی طاقت کو استعمال کرنے کی ضرورت شاذونادر ہی پڑتی تھی اور اپنے روحانی تقدس کی وجہ سے ہر ایک اس قانون پر از خود عمل پیرا ہو جاتا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ تنازعہ یا مقدمہ عدالت میں باقاعدہ طور پر آنے سے پہلے ہی فریقین کی رضامندی سے ختم ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے قرآن نے بھی اس کی طرف "والصلح خیر" فرما کر توجہ دلائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف یا نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو صلح کی اجتماعی کوششوں میں کمی نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر نچلی سطح پر معاملات طے نہ ہو سکیں تو پھر عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے۔ تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ ظاہر ہے اسی صورت میں جو جیسا جرم کریگا اس کی سزا بھی ویسی ہی پائے گا۔ اور کسی فرد کو دوسرے کے جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ پھر انصاف کے تقاضوں کو کماحقہ ادا کرنے کے لئے آپ کی یہ ہدایت بھی موجود ہے "لا يقضين احدكم بين اثنين وهو غضبان" کیونکہ اس صورت میں آدمی عدل سے تجاوز کرسکتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ توسیع ریاست کے ساتھ ساتھ نظام عدالت میں بھی توسیع ہوتی گئی مرکز میں تو آپ خود منصب قضاء پر فائز تھے لیکن اس کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی قاضیوں کا تقرر کیا۔ اور عدالت وقضا کی ذمہ داری بھی صوبائی سربراہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا والیوں کے سپرد کی ۔ گویا والی اپنے عہدہ کے لحاظ سے قاضی بھی تھا ۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم اور عتاب بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا تو یہ حضرات حکومت عامہ کے ساتھ ساتھ فصل خصومات کے اور عدالت کا کام بھی انجام دیتے تھے۔ ان دنوں عدلیہ اور انتظامیہ کو یکجا کرنے کا سبب غالباً یہ تھا کہ ایک طرف تو انتظام ریاست اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور دوسری طرف مقدمات بہت کم آتے تھے۔ صوبائی قضاۃ اپنے فیصلوں میں پہلے کتاب اللہ اور پھر سنت رسول کو پیش نظر رکھتے تھے اور جب ان دونوں ماخذ میں سے کوئی رہنمائی نہیں ملتی تو بالآخر اپنے اجتہاد اور بصیرت سے کام لیتے تھے جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث سے معلوم ہوتا ہے ۔

اسی طرح جب آپ نے حضرت علیؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا ، تو وصیت فرمائی کہ جب تک تم فریق اول کی طرح فریق ثانی کا بیان نہ سن لو ۔ فیصلہ نہ دینا اور آپ نے یہ بھی فرمایا اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں ثابت قدم رہے تو دوہرا اجر ہوگا ۔ اور اگر خطاء کر گئے تب بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔ کتانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے جن لوگوں کو منصب قضاء پر فائز فرمایا تھا ان میں حضرت عمر بن خطاب عثمان بن عفان علی بن ابی طالب ۔ عبداللہ بن مسعود ۔ ابی بن کعب زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری شامل ہیں۔ لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ ان لوگوں کو کن کن مقامات پر قاضی متعین کیا تھا ۔

یہاں یہ بتا دینا برمحل ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نظام عدالت قائم فرمایا تھا اس وقت دنیا عدالت و قضاء کی حقیقتوں سے بہت دور تھی ۔ بظاہر روم و ایران کی متمدن سلطنتوں میں عدالتی ادارے موجود تھے اور عرب جاہلیت میں بھی بلاشبہ شیخ قبیلہ حکم کاہن اور عراف وغیرہ نزاعات کے فیصلے کیا کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لوازمات ثبوت کے ضمن میں قیافہ شناسی ۔ فراست ۔ قسامت قرعہ اندازی شہادت کا بھی رواج تھا اور قس بن ساعدہ کا یہ قول : البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان زد خاص وعام تھا۔ لیکن قضاء کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں اور عرب میں خصوصاً ایسی کوئی با اختیار انتظامیہ بھی موجود نہ تھی جو تنفیذ احکام کی ذمہ دار ہو جو شخص طاقت ۔ قوت اور اثر ورسوخ کا مالک ہوتا وہ فیصلوں پر اثر انداز ہونے اور انہیں بدلنے کی بھی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فیصلوں کی پابندی کی صورت میں بھی اہل عرب کے درمیان غیر مختتم لڑائیوں کے دروازے کھل جاتے تھے اور ایام العرب کی صورت میں جن کا تاریخی ریکارڈ آج بھی موجود ہے نظام عدالت کے سیاق وسباق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا انقلاب یہ پیدا کیا کہ سیاسی ۔ معاشی معاشرتی اتحاد کے ساتھ ساتھ عدالتی اختیارات کو بھی مرکزیت عطا کی ۔ عدالت ایک شخص یا قبیلہ کا معاملہ نہ رہا بلکہ وہ اجتماعی اور معاشرتی بن گیا ۔ قانونی انتشار کے بجائے قانونی مساوات قائم ہوئی اور ہر اختلاف کی صورت میں مرجع خدا اور رسول کی ذات ہو گئی۔

فضیلت قضاء

قضاء نہایت شریف پیشہ ہے اس کی فضیلت میں آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ ۔ اقوال فلاسفہ ناطق ہیں ۔ قرآن کریم نے اس کی فضیلت وافادیت ان الفاظ میں بیان فرمائی

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض (بقرہ آیت ۲۵۱)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ نظام قضاء قائم نہ فرماتا تو زمین میں فساد ہو جاتا۔

احادیث مبارکہ میں اس کی فضیلت یوں وارد ہوئی ۔

ان المقسطين عند ربهم يوم القيامة على منابر من نور عند يمين الرحمان ،،

انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے دائیں نور کے ممبروں پر جلوہ افروز ہوں گے ۔ دوسری حدیث پاک میں ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابا هريرة عدل ساعة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیر من عبادة ستین سنة وجود ساعة فی حکم اشد واعظم
عند اللہ من معاصی ستین سنة ۔

یعنی عدل و انصاف میں گزاری ہوئی ایک ساعت عبادت میں گزارے ہوئے ساٹھ سال سے بہتر ہے ۔ اور ظلم کی ایک ساعت گناہ کے ساٹھ سال سے بدتر ہے ۔ حکماء کا قول ہے کہ عادل حاکم موسلا دھار بارش سے بہتر ہے ۔ اندلسی بادشاہ مستنصر باللہ کا قول ہے کسی مملکت کے لیئے عادل قاضی کی موت سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں اس لیئے کہ کسی فوجی سالار یا وزیر کے مرنے سے عمومی زندگی پر وہ اثرات مرتب نہیں ہوتے جو عادل قاضی کے مرنے سے مرتب ہوتے ہیں فلاسفہ ۔ ادیان ۔ دساتیر عالم کے احترام قضاء پر اس اجماع سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قضاء کی اس تقدیس و توقیر کا سبب کیا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انسانی اجتماعیۃ کبری کی ضرورت ہے اس لیئے کہ فرد جب تک اپنے مال ۔ جان اور آزادی پر مطمئن نہیں ہوگا ۔ اس کی اجتماعی اور انفرادی زندگی انتہائی شقاوت و اضطراب میں گھری رہے گی ۔ کیونکہ جماعت افراد ہی کا تو مجموعہ ہے ۔ بدنظمی اور ظلم اس کی سیاہ بختی کا سبب ہے ۔ انسان بالطبع بہت سی برائیوں مثلاً کینہ ۔ حسد طمع ۔ انانیت استبدادیت وغیرہ کا مجموعہ ہے اگر ان برائیوں کو محدود کرنے والی اور افراد و اجتماع کے تعلقات کو منظم کرنے والی کوئی طاقت نہیں ہوگی تو یہ پورا معاشرہ فلد ہو جائے گا ۔ جب حضرت عمر فاروقؓ نے قاضی شریح کو عہدہ قضاء پر مقرر فرمایا اور اسے عدل کرنے کی وصیت کی تو حضرت عمرو بن عاص نے یہ اشعار پڑھے ؎

ان القضاة اذا الماراد واعد لاً ۔ وارفعوا فوق الخصوم نضلا
وزحزحوا بالعلم عنھم جھلا ۔ کالواکغیث قد اصاب محلا ۔

یعنی قاضی حضرات جب عدل و انصاف کا ارادہ کریں ۔ اور اہل خصومت پر اپنے فضل کا سایہ کر دیں ، علم کی شمع سے جہالت کی ظلمت کو دور کر دیں ۔ تو وہ قحط زدہ زمین پر باراں رحمت کی مانند ہوں گے ۔

چونکہ قاضی بھی تو ایک فرد بشر ہی ہے ۔ اگر شرائع ۔ قوانین اور ادیان اس کے گرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقدس و وقار کا خیال نہ قائم کریں گے تو لوگ ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم کیسے خم کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا تقدس یہ کہہ کر قائم فرمایا : فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (نساء آیت ۶۷)

تیرے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ آپ کے فیصلوں کو دل و جان سے تسلیم کریں ۔

القضاء والحضارة

کسی قوم کی ترقی کا قیاس اس کے نظام قضاء کی ترقی پر کیا جاتا ہے پس ماندہ قبائل میں قوی کمزور پر غالب ہوتا ہے ۔ قوت کو سیادت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے ۔ جب قوم شہریت اور تمدن کے مدارج طے کر لیتی ہے تو اس کی نگاہ میں حق و انصاف کی سیادت اور قانون کو بالا دستی حاصل ہو جاتی ہے ۔ جس معاشرہ میں فرد کی زندگی قانون کے سایہ عاطفت میں مطمئن نہ ہو خواہ مادی وسائل اس میں کتنے ہی کیوں نہ جمع ہو جائیں وہ معاشرہ متمدن نہیں کہلا سکتا ۔ پس تہذیب و تمدن اس اطمینان و استقرار حق کا نتیجہ ہے جس کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو اور عدل بغیر قضاء کے ممکن نہیں ۔ زمانہ حاضر میں قضاء کا تقدس تمدن کے پہلو بہ پہلو ترقی کرتا ہے جس قدر تمدن مہذب ہوتا جائے گا قضاء کے تقدس و احترام میں بھی اضافہ ہوگا ۔ سابقہ متمدن قوموں میں اس کی کثیر مثالیں پائی جاتی ہیں عربوں کی اسلامی تاریخ عدل و انصاف کے بے مثال شواہد سے پر ہے جبکہ خلفاء امراء اور ولاۃ کی گردنیں عادل قاضیوں کے فیصلوں کے سامنے جھک جاتی تھیں اس کی ایک عمدہ ترین مثال وہ واقعہ ہے جسے بلاذری نے فتوح البلدان کے صفحہ ۴۲۸ پر یوں رقم کیا ہے کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں اہل سمرقند کا ایک وفد آپ کے لشکر کے ایک عظیم سردار قتیبہ بن مسلم باھلی کی شکایت لے کر آیا کہ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دیے بغیر ہمارے شہر پر حملہ کر دیا اور اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتح کر لیا۔ تو خلیفہ نے اپنے عراق کے گورنر کو لکھا کہ ان کے لیئے ایک خصوصی عدالت قائم کرے گورنر نے جمیع بن حاضر الباجی کو قاضی مقرر کیا۔ جس نے قائد جیش قتیبہ کے خلاف ان کے مقدمہ کی سماعت کی اور اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مسلمان سمرقند کا قبضہ چھوڑ کر شہر سے باہر نکل جائیں اور اہل سمرقند اپنے قلعوں میں واپس آجائیں۔ اس کے بعد قائد جیش یعنی قتیبہ اہل سمرقند کے سامنے اسلامی طریقہ کے مطابق تین باتیں پیش کرے کہ اول وہ مسلمان ہو جائیں۔ نہیں تو جزیہ دینا قبول کریں ورنہ جنگ کے لیئے تیار ہو جائیں۔ اسلامی لشکر اور اس کے قائدین نے اس فیصلہ کو بسر وچشم تسلیم کیا۔ جب اہل سمرقند نے عدل وانصاف کا یہ نادر نمونہ دیکھا تو انہوں نے بدل وجان اسلامی لشکر کی اطاعت قبول کر لی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کے دلوں میں عدل وانصاف کی کیا قدر و منزلت تھی اور ان کا ہر چھوٹا و بڑا حاکم خواہ خلیفہ ہو یا امیر یا والی قاضی کے حکم کے سامنے کس طرح گردن جھکا دیتے تھے۔ کیا اس میں کوئی شک ہے کہ زمانہ حال جس میں انسانی حقوق کے بڑے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں۔ اس عدالت و مساوات کی گرد کو بھی نہیں پہنچ پایا ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز خود بنفسہ کوئی حکم دینے کی بجائے۔ اس مقصد کے لئے قاضی مقرر کر کے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ اسلام میں شعبہ قضاء انتظامیہ سے الگ و آزاد ہے اور قاضی بھی کس شان کا ہے کہ مملکت کی مصلحتوں کی پرواہ کیئے بغیر مبنی برحق فیصلہ صادر کر دیتا ہے خواہ وہ حکومت خلیفہ اور قائد جیش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیا دنیا کی کوئی قوم عدل وانصاف کا ایسا نمونہ پیش کر سکتی ہے یہ واقعہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد قصہ ہی نہیں بلکہ ہر سیاسی حاکم اور فوجی قائد کے لیئے مشعل راہ ہے اور نادر مثال ہے۔ جو مسلمان عربوں نے عدل وانصاف اور حقوق انسانی کے لیئے ایسے وقت میں قائم کی جس وقت دنیا کی تمام اقوام اس سے تہی دست بلکہ قاصر نظر آتی ہیں جبکہ اسلامی تاریخ کا دامن ایسے واقعات سے پر ہے۔ حقوق انسانی کے لیئے اقوام متحدہ کا عالمی اعلان صفحہ قرطاس پر ایک اچھی دستاویز ہے لیکن سطح زمین پر اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالفعل وجود کہیں نظر نہیں آتا بلکہ شرق اوسط۔ افغانستان۔ کشمیر ارٹیریا۔ افریقہ۔ سری لنکا میں اس کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ الغرض مسلمانوں کا یہ عدل وانصاف ہی تھا جس نے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کو بام عروج پر پہنچا دیا اور ساری دنیا کی سیادت عطا کر دی۔ یورپ کو تہذیب وتمدن سکھایا حتی کہ جوسٹاف یہ کہنے پر مجبور ہوا "تاریخ نے عربوں سے زیادہ رحم دل فاتح پیش نہیں کیا"۔ صلاح الدین ایوبی نے اپنی فتوحات کے عین شباب میں یہ جملہ کہا۔ لا تظنوا انی ملکت البلاد بسیوفکم بل بقلم القاضی الفاضل۔ فاتح صلاح الدین ایوبی نے اپنے غلبہ کے وقت مسلمانوں کا قتل عام کرنے والے مفتوح ومغلوب صلیبیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ بقول جوسٹاف اس نے صلیبیوں کی گردنیں مارنے کی بجائے عام معافی دے دی۔ اور ان کا مال ودولت لوٹنے کی بجائے معمولی جزیہ مقرر کیا۔ ان کے امراء کو بمع اہل وعیال یورپ واپس جانے کی اجازت دے دی بلکہ ان کو طرطوس سے بڑے عزت واحترام کے ساتھ الوداع کیا۔ روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کسی عامل نے شہر کی حفاظت کے لیئے مال طلب کیا تو آپ نے جواب میں لکھا: حصنہا بالعدل ونقّ طریقہا من الظلم۔ عدل وانصاف کے ساتھ شہر کو مضبوط کرو اور اس کے گلی کوچوں کو ظلم سے پاک کرو۔

سعید بن سوید نے حمص میں خطبہ دیتے ہوئے حمد وثنا کے بعد کہا: ایہا الناس

ان للاسلام حائطاً منیعا وبابا وثیقاً فحائط الاسلام الحق وبابہ العدل"

اے لوگو اسلام کی ایک محفوظ فصیل ہے اور ایک مضبوط دروازہ ہے۔ اس کی فصیل تو حق ہے اور اس کا دروازہ عدل ہے سکندر اعظم نے بابل کے حکماء سے دریافت کیا تھا: ایما ابلغ عندکم الشجاعۃ ام العدل تو حکماء نے جواب دیا۔ اذا استعملنا بالعدل استغننا عن الشجاعۃ۔

یعنی جب ہم عدل پر عمل کریں گے تو شجاعت کی ضرورت باقی نہیں رہے گی لہٰذا تمام ادیان تمام شریعتوں اور تمام دستوروں کا اس پر اجماع ہے کہ عدل ہی کسی سلطنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنیاد ہے۔ اور تہذیب و تمدن اور احترام قانون کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

القضاء قبل الاسلام

اہل عرب کے نزدیک اسلام سے پہلے قضاء کا کوئی مستقل شعبہ نہ تھا یعنی قاضی فیصلہ کرنے کے لیئے کسی عدالت میں نہیں بیٹھتے تھے قبیلہ کا رئیس یا کوئی صائب الرای اور عقلمند شخص لوگوں کے درمیان ان کے حکم بنانے پر فیصلہ کر دیتا تھا اسی لئے وہ قضاء کو حکومت اور قاضی کو حکم کہتے تھے اس لیئے کہ کلمہ حکم کے معنی قضاء بھی ہیں اور حکمت بھی ہیں قال اللہ تعالیٰ و اتیناہ الحکم صبیا یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کو بچپن میں ہی علم و حکمۃ عطا کر دی تھی علم وہ ہے جو ہر چیز کو اس کا مناسب مقام دے اور حَکَم وہ ہے جو جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ قریش کو باقی قبائل پر چند امتیازات حاصل تھے ۔ وہ عربوں کے درمیان منصب قضاء پر فائز تھے اور ان کے بعض قاضی مشہور تھے مثلاً ہاشم بن عبد مناف - عبداللہ بن ہاشم ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابو طالب دوسرے عرب قبائل میں بھی بہت سے مشہور قاضی تھے جن کے فیصلے مانے جاتے تھے ۔ مثلاً اکثم بن صیفی ۔ حاجب بن زرارہ تمیمی ۔ عقیلان بن سلمہ ثقفی ربیعہ بن حذل اسدی ۔ سلمی بن نوفل کنانی ۔ بعض قبائل کاہنوں سے فیصلہ کراتے تھے جن میں سطیح ذئبی کاہن مشہور تھا۔ عربوں نے زمانہ جاہلیت میں نظام مظالم کے مشابہ ایک نظام قائم کیا تھا جس کا سبب عاص بن وائل اور ایک زبیدی شخص کے درمیان ایک تنازع تھا کہ عاص نے زبیدی سے کچھ سامان خریدا لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا رہا جب زبیدی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو اس نے خانہ کعبہ کے گرد رؤساء قریش کے سامنے اپنی مظلومیت کا مظاہرہ چند اشعار میں کیا ۔ جس کی مدد کے لیئے قریش عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے جہاں انہوں نے حلف اٹھایا کہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے ۔ اس حلف کو حلف الفضول کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربوں کی زمانہ جاہلیت کی قضاء اسلامی قضاء سے دو اہم باتوں میں مختلف تھی اول یہ کہ قضاء کے لیئے کوئی مکتوب اور مسطور قانون موجود نہیں تھا صرف عرف عادۃ اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ لیکن اسلام میں قضاء کی بنیاد قرآن۔ سنت اجماع اور قیاس پر تھی اور عرف وعادت کو بھی اس شرط پر ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ صرف عرف وعادت پر اعتماد بسا اوقات عدل وانصاف سے دور لے جاتا ہے کیونکہ بہت سے عرف و عادت برے بھی ہو سکتے ہیں جو کسی قوم میں رواج پذیر ہو جائیں جن سے خلاصی پانا دشوار ہو جائے مثلاً زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کی بُری رسم جاہلی معاشرے میں جڑ پکڑ گئی تھی جس کی پیروی کرنے میں سرداران قوم فخر محسوس کرتے تھے حتیٰ کہ اسلام نے آکر اسے یوں کہہ کر ختم کیا، ومن یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما (نساء آیت ۹۲)

دوسرا یہ کہ زمانہ جاہلیت واسلام کے طریقہ ہائے قضاء میں یہ بین فرق تھا کہ اسلام میں قاضی کے فیصلہ کو ماننا لازمی اور حتمی قرار دیا گیا جبکہ زمانہ جاہلیت میں کوئی فریق بھی حکم کے فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دینے اور کسی دوسرے کو حکم بنا لینے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتا جب کسی عدالت کے فیصلہ میں قوۃ نافذہ ہی نہ ہو۔ طاقت در نافذ کرائے کمزور محروم رہے یہ تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا قانون ہو گیا۔ جبکہ قرآن کریم نے قاضی کے فیصلہ کی تنفیذ کے لیئے یہ صریح حکم دیا (فلا وربک لا یومنون تا تسلیما۔) آیت کریمہ نے محکمہ قضاء کو وہ قوت بخشدی جو جاہلیت میں اسے حاصل نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے نہ ماننے والے کو ایمان سے ہی خارج کر دیا بلکہ دل کی گہرائیوں سے اسے تسلیم کرے اور دل میں اس کے خلاف خفیف سی تنگی محسوس نہ کرنے کا حکم دیا گیا اس لیئے کہ اس فیصلہ کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے جس کا ماننا لازمی نہ ہو۔ فی زمانہ اس کی مثال اقوام متحدہ ہے جس کے فیصلے محض مشورہ کی حیثیت رکھتے ہیں اسی لیئے آج تک وہ کسی تنازعہ کا فیصلہ نہیں کر سکی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القضاء فی الاسلام

جب اسلام کی فجر وادی مکہ سے طلوع ہوئی اور اس کا پیغام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ دلوں اور روحوں کو منور کرنے لگا۔ اور لوگ گروہ در گروہ دین میں داخل ہونے لگے۔ اور لوگوں کی ہدایت کے لیئے خیر امت قرار پائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی حکم اور قاضی تھے اور قواعد دین لوگوں کے سینوں میں راسخ ہو گئے۔ تو بقول استاذ عارف کندی اسلام نے لوگوں کے دلوں میں اخلاق عالیہ کی روح پھونک دی۔ ان کے دلوں میں رحمت و مودت کی حرکت پیدا کر دی مہربانی و شفقت ان پر غالب ہو گئی تو اس زمانے میں لوگوں کے باہمی جھگڑے کم ہو گئے۔ آپس میں ظلم و تعدی کالعدم ہو گیا۔ اگر شاذ و نادر کبھی ہوا بھی تو دربار رسالت میں پیش ہو کر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ مرد مومن کی ایمانی کیفیت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ خطا کار دربار مصطفوی میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کر کے اللہ کے حدود کو اپنے جسم و جان پر جاری کرنے کا خود مطالبہ کرتا تھا۔ جس امت کی یہ شان ہو وہ کسی قانون کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس کے لیئے اس کا ایمان اور اس کے رب کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہی کافی ہوتی ہے۔ دولت اسلامیہ شام و عراق تک وسیع ہو گئی اسلام کا دائرہ پھیلنے لگا۔ دور دراز کے ملکوں میں لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیئے مسلمانوں کے معاملات میں بذات خود فیصلہ کرنا متعذر ہو گیا تو انہوں نے محکمہ قضاء کو قوت نافذہ سے الگ کر دیا۔ اس اعتبار سے قضاء کو حکومت سے الگ کرنے والے سب سے پہلے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں جس کا نعرہ فرانسیسی فیلسوف مونتیسکو نے اٹھارویں صدی عیسوی میں لگایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ شریف میں حضرت ابو درداء کو بصرہ میں شریح کو۔ کوفہ میں ابو موسیٰ اشعری کو قاضی مقرر فرمایا؛

اسلام میں سب سے پہلے مقرر ہونے والے یہ تین قاضی تھے۔ امام زہری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امام ابن المسیب سے روایت ہے کہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی قاضی مقرر کیا تھا نہ حضرت ابو بکر صدیق نے اور نہ حضرت عمر فاروق نے اپنی وسط خلافت تک کوئی قاضی مقرر کیا تھا۔ خلافت کے وسط آخر میں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اقضی الصحابہ تھے کہا کہ آپ میرے بعض امور میں میری معاونت کریں اور جو خط آپ نے ابو موسیٰ اشعری کو قاضی مقرر کرتے ہوئے لکھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم: اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے عبداللہ بن قیس کی طرف۔ سلام علیک اما بعد قضاء ایک اہم ترین فریضہ اور قابل اتباع سنت ہے۔ جب کوئی معاملہ پیش ہو تو اچھی طرح سمجھو اور جب خوب واضح ہو جائے تو اسے نافذ کر دو اس لیئے کہ جس فیصلہ کا نفاذ نہ ہو وہ بے فائدہ ہے۔ اپنی مجلس میں اپنے چہرے پر اور اپنے فیصلہ میں لوگوں سے مواسات کرو تاکہ کسی شریف کو افسوس نہ ہو اور کسی کمزور کو تیرے انصاف سے مایوسی نہ ہو۔ گواہ مدعی پر ہیں اور قسم منکر پر ہے۔

جس صلح میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہ کیا گیا ہو وہ صلح جائز ہے جس نے غائب حق کا دعویٰ کیا یا اس کے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کے لیئے مدت مقرر کر اگر وہ بیان کر دے تو اس کو اس کا حق دے دے اور اگر عاجز رہے تو اس کے خلاف فیصلہ دینا حلال ہو گیا اس میں قطع عذر اور دفع ضرر ہے۔ اگر تم نے آج ایک فیصلہ کر لیا ہے پھر اس میں خطاء کا احساس ہو گیا ہے تو رجوع الی الحق میں کوتاہی نہ کرنا۔ اس لیے کہ حق دائمی ہے جسے کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔ حق کی طرف رجوع کرنا باطل پر اڑنے سے بہتر ہے۔ سب مسلمان آپس میں عادل ہیں مگر یہ کہ اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہو یا اس پر حد جاری ہو چکی ہو یا قرب ولاء یا نسب مانع ہو۔ پھر جس معاملہ میں دل میں خلش ہو اور کتاب وسنت میں اس کا حکم نہ ہو تو اس کے اشباہ وامثال سے حکم معلوم کرو اور اس کے نظائر پہ قیاس کر اور وہ فیصلہ کر جو اللہ کو محبوب اور اشبہ بالحق ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غصہ۔ شک۔ تنگدلی اور ملال سے بچو۔ اس لیئے کہ حق فیصلہ میں اجرِ عظیم ہے جس کی نیت حق کا فیصلہ کرنے میں خالص ہو خواہ وہ فیصلہ اپنے نفس کے خلاف ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیئے کافی ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف خلوص کو قبول کرتا ہے۔ تم پر سلام اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

اس خط سے فقہاء نے بہت سے اصول و احکام کا استنباط کیا ہے حضرت علی بن ابی طالب صحابہ کرام میں سب سے بڑھ کر قاضی اور عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا: "اقضاھم علی" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی ایسے مشکل مقدمہ سے پناہ مانگا کرتے تھے جس میں ابوالحسن یعنی علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں آپ کا مقولہ ہے لولا علی لھلک عمر ابن خلدون نے اپنی کتاب مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے: "سب سے پہلے جس نے قضاء کو علیحدہ کیا وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔ مدینہ شریف میں ابو درداء کو بصرہ میں شریح کو اور کوفہ میں ابوموسیٰ اشعری کو قاضی بنایا اور ابوموسیٰ کو مکتوب روانہ کیا جس پر احکام قضاء کا مدار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قاضیوں کا انتخاب کرنے میں بہت سخت تھے۔ فرمایا۔ امیر کسی کو ذاتی تعلق کی وجہ سے امیر یا قاضی بنائے گا تو اس کے گناہوں میں برابر کا شریک ہوگا۔ اور اگر عام مسلمانوں کی مصلحت کے لیئے بنائے گا تو اس کے ثواب میں شریک رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی انسان کو عامل بنایا اور اس کی رعیت میں اس سے بہتر موجود ہے تو اس نے اللہ رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔ متقدمین میں سے ابن مواز کا قول ہے کہ قاضی بنانا صرف عقل مند ذہین فقیہ کو جائز ہے جو جلد باز نہ ہو۔ صدر اسلام اور عہد اسلامی کے قاضی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر اس میں نہ پاتے تو قیاس سے کام لیتے اور اپنے فیصلوں میں رضاء الٰہی کو ملحوظ رکھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا کس طرح فیصلہ کروگے تو عرض کی اللہ کی کتاب سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کی سنت رسول سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو عرض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پھر اجتہاد کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ الحمد للہ کہ اس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے۔ عباسی عہد میں چونکہ فقہاء اربعہ کے مذاہب کا ظہور ہو چکا تھا اس لیئے اس زمانہ کے قضاۃ اپنی رائے کی بجائے ان فقہاء کی آراء پر اعتماد کرتے تھے۔ عہد رسالت اور عہد جہالت کی قضاء میں دو قسم کا بنیادی فرق تھا۔

۱۔ الزام فی الحکم۔ عرب زمانہ جاہلیت میں اپنے تنازعات کے لیئے حکم مقرر کرتے تھے لیکن فریقین اس کے فیصلہ کے پابند نہیں ہوتے تھے۔

عہد رسالت تک یہی معمول تھا کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فلا وربک سے تسلیما تک۔ بخاری کی روایت کے مطابق اس کا سبب نزول یہ ہوا کہ حاطب نامی ایک انصاری کا زبیر بن عوام سے کھجوروں میں پانی دینے پر تنازع ہو گیا انصاری نے کہا پانی چلنے دو۔ زبیر نے انکار کیا دونوں نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا آپ نے زبیر سے فرمایا کہ اے زبیر پانی لگا کر اپنے پڑوسی کے لیئے چھوڑ دو۔ انصاری نے ناراض ہو کر کہا اس لیئے کہ یہ آپ کا پھوپھی زاد ہے وہاں سے نکلے تو مقداد ملا اس نے پوچھا فیصلہ کس کے حق میں ہوا انصاری نے کہا اپنے پھوپھی زاد کے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ مقداد کے ساتھ ایک یہودی تھا وہ سمجھ گیا۔ اس نے کہا اللہ انہیں قتل کرے رسول اللہ بھی مانتے ہیں اور ان کے فیصلہ میں تہمت بھی لگاتے ہیں۔ بخدا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا۔ تو جانوں کے قتل کی توبہ مقرر ہوئی۔ جسے ہم نے قبول کر لیا تو ہم میں ہمارے ستر ہزار قتل ہو گئے تب اللہ راضی ہوا ثابت بن قیس نے یہ سن کر کہا بخدا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خودکشی کا حکم دیں تو میں خود کو قتل کر لونگا ابن مسعود۔ عمار بن یاسر۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہم سب نے ایسا ہی کہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے دو آدمیوں کا تنازعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درمیان فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اسنے یہ تنازعہ حضرت عمر فاروق کے سامنے پیش کرنا چاہا۔ دونوں حضرت عمر فاروق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس آئے تو دوسرے شخص نے بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے یہ مجھے آپ کے پاس لے کر آیا ہے آپ نے کہا کیا ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے کہا ٹھہرو میں آتا ہوں آپ ننگی تلوار لے کر آئے اور منکر کو قتل کر دیا۔ لہذا آیت مذکورہ کے تحت عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنا لازمی ہو گیا۔

۲۔ **معین قاضی کا تقرر**۔ زمانہ جاہلیت میں کسی حکم کے فیصلہ کو کوئی فریق پسند نہ کرتا تو کسی دوسرے کو حکم بنا لیتا۔ اس کا فیصلہ بھی قبول نہ ہوتا تو تیسرے کو حکم بنا لیتے۔ دونوں کے راضی ہونے تک اسی طرح حکم بدلتے رہتے۔ عہد رسالت مآب میں بشر منافق کا ایک یہودی سے زمین پر جھگڑا ہو گیا یہودی نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی دعوت دی تو منافق نے انکار کر دیا۔ اسی طرح مغیرہ بن ورقل کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پانی اور زمین کے بارے میں تنازعہ ہوا تو حضرت علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے کی پیش کش کی تو مغیرہ نے انکار کر دیا کہ محمد مجھ سے بغض رکھتے ہیں وہ میرے ساتھ انصاف نہیں کریں گے ابن الحاتم کی روایت ہے کہ جب کسی شخص کا دوسرے سے تنازعہ ہوتا اور وہ حق پر ہوتا تو آپ سے فیصلہ کرانا چاہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔ اگر اس کی زیادتی ہوتی تو آپ کی عدالت میں پیش ہونے سے اعراض کرتا اور کسی دوسرے کے پاس جانے کو کہتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اذا دعوا الی اللہ و رسولہ۔ لیحکم بینھم اذا فریق منھم معرضون وان یکن لھم الحق۔ یاتوا الیہ مذعنین افی قلوبھم مرض ام ارتابو۔ ام یخافون ان یحیف اللہ علیھم و رسولہ۔ بل اولئک ھم الظالمون انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ و رسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و اطعنا واولئک ھم المفلحون (سورہ نور: ۴۸)

اور اس آیت کے تحت اب کسی کو قاضی کے فیصلہ سے پھرنے اور دوسرے کو قاضی بنانے کا اختیار نہ رہا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام قاضی کی طرح مقدمہ کے ظاہری حالات کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے نہ کہ بوصف نبوۃ اور آپ نے مسلم کی اس حدیث میں اپنی اسی حیثیت کی طرف اشارہ فرمایا حضرت ام سلمہ زوج النبی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میرے پاس اپنے تنازعات لاتے ہو، ہوسکتا ہے تم میں سے کوئی زیادہ حجت بازہ ہو اور میں اس کی حجت سن کر اس کے حق میں فیصلہ کردوں تو اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دے دوں تو اسے لینا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ وہ جہنم کا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا جب آپ اپنی رائے سے فیصلہ دیتے تو اس میں خطاء کا احتمال ہوتا تھا۔ لیکن جو حکم بذریعہ وحی دیتے تھے اس میں ہرگز خطاء کا احتمال نہیں ہوتا تھا۔

آزادی عدالت

ابن خلدون نے کہا انسان بالطبع مدنی ہے جس کے نتیجہ میں انسان جماعت کے بغیر زندگی بسر نہیں کرسکتا اور اجتماعی زندگی کے لیئے کچھ قواعد وضوابط کی ضرورت ہے جن کی تمام افراد پابندی کریں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت ہوسکے ان قواعد ہی کا نام قانون ہے۔ پس قانون وہ قواعد وضوابط ہیں جن سے افراد اور جماعت کے تعلقات مستحکم ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی ذاتی غرض اور نفسانی خواہشات کے لیئے ان میں خلل اندازی کرتا ہے تو ایک اعلیٰ اجتماعی نگران ادارہ کی ضرورت پڑتی ہے جو قانون پر عمل کراسکے۔ اسی ادارہ کا نام قضاء ہے پس ایک متمدن معاشرہ میں قضاء کا وجود اور قانون کا وجود باہم لازم وملزوم ہیں۔ جس قدر یہ ادارہ قوی ہوگا اتنا ہی وہ معاشرہ زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ہوگا۔ علماء نے وظیفہ قضاء کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ حکم شرعی کی علی سبیل الالزام خبر دینا ہے۔ قاضی جو کہتا ہے اس میں الزام واجبار کی صفت ہوتی ہے وہ محض فتوی نہیں ہوتا گویا قانون روح ہے تو قضاء اس کا جسم ہے۔ بلاد اسلامیہ پر استعمار مسلط تھا تو عدالت اجنبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا مخلوط تھی جس کی وجہ سے ان ممالک کی سیادت ناقص تھی۔ پس عدالت کی آزادی سے اس ملک کی آزادی ہوتی ہے۔ جب اسلام نے مملکتہ اور حضارۃ کی تشکیل کی تو طویل عرصہ تک متمدن دنیا کے بڑے حصے پر اس کا غلبہ رہا اس لیئے کہ اس کی حضارۃ میں عمدہ شریعت اور بہترین قضائی نظام تھا۔ جس نے اس کو سیاسی بزرگی عطا کر دی۔ حضارۃ اسلامیہ کے سایہ میں نظام قضاء قانونی بنیادوں پر قائم تھا جس کی مثال دنیا کی متمدن قومیں تا حال نہیں پیش کر سکیں لیکن بعد کے زمانوں میں دوٗل اسلامیہ کو جو پس ماندگی نصیب ہوئی اس کا اثر حضارۃ اسلامیہ کے تمام شعبوں پر پڑا۔ نظام قضاء بھی ان شعبوں میں سے ایک ہے۔ پس سیاسی استبداد آزادی قضاء پر غالب آگیا اور اخلاقی فساد نے قضاء کی نزہت و تجرد کو گہنا دیا۔ فقہ جامد اور باب اجتہاد مقفل ہو گیا اس طرح قضاء کا ہاتھ شل ہو گیا اور اس پر جمود طاری ہو گیا۔ لیکن الحمدللہ بیسویں صدی کے شروع سے ممالک اسلامیہ میں نئی بیداری کی ابتداء ہو گئی ہے بد نظمی اور پس ماندگی کو دور کرنے کے لیئے محکمہ قضاء اور قانون سازی کی اصلاح کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ اقوام عالم کے سیاسی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ مملکت کے تین ستون قانون سازی اس کا نفاذ اور عدالت اگر ایک ہاتھ میں ہوں گے تو سرکشی۔ استبداد اور ظلم کا سبب بنیں گے۔ جمہوری نظام کی بنیاد ان تینوں کی علیحدگی اور آزادی پر ہے تاکہ کوئی محکمہ دوسرے پر دست درازی نہ کر سکے۔ فقہاء اسلام کا اجماع قاضی کی آزادی اور اس کو اپنے ضمیر کی آواز پر عمل کرنے دیتا ہے۔ ممالک اسلامیہ میں قاضی حضرات خلفاء اور دیگر حکام کے مقابلے میں ایک خاص قدر و منزلت کے مالک ہوتے تھے جس کے شواہد تاریخ اسلامی میں بے شمار ملتے ہیں جو صدر اسلام اور مسلمانوں کے عروج و ترقی کے زمانہ میں عدالت کی آزادی و استقلال پر دلالت کرتے ہیں۔ قاضی کے عمل کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ قاضی پر اس کے ضمیر اور قانون کے سوا کسی اور چیز کا دباؤ نہیں ہونا چاہیئے اس کا ضمیر آزاد ہو جو کسی خارجی دباؤ کے بغیر قاضی کو انصاف اور حق کی طرف رہنمائی کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدالت پر خارجی دباؤ کا اندیشہ اکثر قانون ساز اور تنفیذی اداروں کی طرف سے رہتا ہے۔ حکومت کے اداروں میں اہم ترین ادارہ قوۃ شرعیہ ہے کیونکہ وہ عدالتوں اور انتظامیہ کے لیے قانون وضع کرتی ہے انتظامیہ اور عدالت کا کام ان قوانین کو عوام پر منطبق کرنا ہے۔ پس عدالت ہی جسد قانون میں روح پھونکتی ہے ہیئت تشریعیہ کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ عدالت کی آزادی میں دخل دے۔ اس پر تمام دساتیر عالم کا اتفاق ہے حقیقت یہ ہے کہ قانون ساز اداروں کا محکمہ قضاء پر سب سے اہم تسلط یہ ہے کہ وہ قاضیوں کی تنخواہوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اور ایسے قوانین وضع کر سکتے ہیں جن کے ذریعہ وہ قاضی کے ضمیر اور اس کے وجدان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ قوۃ تشریعیہ سے زیادہ انتظامیہ کو عدلیہ پر اثر انداز ہونے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ملک میں تمام قوتوں کا سر چشمہ وہی ہے۔ خصوصاً جب کہ کسی مقدمہ کی ایک فریق حکومت ہی ہو۔ بلکہ انتظامیہ بعض اوقات قوۃ تشریعیہ پر بھی اثر انداز ہو جاتی ہے تو وہ مطلق العنان بن جاتی ہے قانون کی حکمرانی کمزور بلکہ معدوم ہو جاتی ہے ایسی صورت میں اس کے آگے اگر بندھ باندھ سکتی ہے تو صرف عدلیہ ہی باندھ سکتی ہے۔ صرف ایک آزاد عدلیہ ہی قانون کی سیادت کی ضامن ہے اور قانون کی بالا دستی ہی اجتماعی اور انفرادی حقوق کی ضمانت دے سکتی ہے جس قدر اس کی آزادی میں کمی آئے گی اتنا ہی اجتماع اور فرد کے حقوق اور ان کی آزادی میں خلل آئے گا اور بالآخر پورا معاشرہ تہذیب و تمدن سے محروم ہو جائے گا۔ اسی لیے دساتیر عالم عدلیہ کی آزادی اور انتظامیہ کے مقابلے میں اس کی ہیبت قائم کرنے میں زور دیتے ہیں اور دستور میں قانون ساز اداروں اور انتظامیہ کو اس کا صراحتاً پابند کر دیا جاتا ہے کہ وہ عدلیہ کی آزادی میں خلل انداز نہیں ہونگے، بعض قاضی خصوصاً جن کا اس عہدہ پر نیا نیا تقرر ہوا ہو وہ محض اپنی آزادی کے اظہار کے لیے کسی قوی فریق کے خلاف خصوصاً حکومت کے خلاف فیصلہ دینے کو عدل سمجھتے ہیں۔ یہ میلان باطل ہے۔ اس لیے کہ قاضی کو ایسے میلان سے پاک ہونا چاہیے اس کی نظر اور فکر امر متنازعہ کی نوعیت پر ہونی چاہیے قطع نظر کرتے ہوئے متنازعہ کی شخصیات اور ان کے اخلاق و برتاؤ سے۔ قاضی پر لازم ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ جب وہ اپنے دل میں کسی ایک فریق کے خلاف میلان کو محسوس کرے تو مقدمہ کو کسی دوسری عدالت میں بھیج دے۔ اسی طرح کسی فریق کی غربت اور خستہ حالی کو دیکھ کر اس کے حق میں غلط فیصلہ دے دینا اگرچہ اس کا منشا و مبنیٰ شفقت و رحمت انسانی پر ہے بہرحال عدالت سے انحراف اور اپنی ذاتی پسند کی طرفداری ہے حق رسی نہیں ہے پس قاضی کا راہنما اور ہدف صرف اور صرف عدل ہے۔ واجب ہے کہ عدالت کی سوچ قاضی کی روح۔ اس کے گوشت پوست اور خون میں رچ بس جائے قاضی کے نفس اور اس کے شعور پر ایک عظیم دباؤ رائے عامہ کا بھی ہوتا ہے۔ انسان کا مقام جتنا بلند ہوتا جائے گا اور معاشرہ میں اس کی شان بڑھتی جائیگی اتنا ہی رائے عامہ کا اسے احساس زیادہ ہوتا جائے گا۔ قاضی عبداللہ بن وہب کا قول ہے من احب المال والشرف وخاف الروساء لم یعدل جو مال اور شرافت سے محبت کریگا اور حکام سے ڈرگیا وہ انصاف نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جس دارالقضاء میں رائے عامہ کا اثر ہوگا وہاں سے عدل کے فرشتے کوچ کر جائیں گے خصوصاً جب کہ قاضی کے سامنے عوام کی دلچسپی والا معاملہ درپیش ہو جمہور اس کے فیصلہ کے شدت کے ساتھ منتظر ہوں بلکہ بہت سے لوگ عدالت سے پہلے ہی اپنا فیصلہ سنا دیتے ہوں ایسی رائے عامہ قاضی کی آزادی کے لیے سخت خطرناک ہوتی ہے۔

اس دباؤ کا مقابلہ بہت قوی شخصیت اور عمیق فکر والا قاضی ہی کرسکتا جو حق و انصاف کے مقابلہ میں لوگوں کی باتوں اور ان کی تنقید کی پرواہ کرنے والا نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا۔ قضاء کے لائق صرف وہی مضبوط آدمی ہو سکتا ہے جو حق اللہ میں کسی ملامت اور عوام کی ناراضی کی پرواہ کرنے والا نہ ہو بلکہ یقین کامل رکھتا ہو کہ عدل و انصاف کیلیے عوام کی جتنی بھی ملامت اور ناراضگی مول لیگا اسکے انعام میں اتنی ہی رضاء الٰہی حاصل کرے گا۔ پس جو لوگ عوام کی تالیوں کے خواہشمند ہوں۔ وہ سیاستدان بن سکتے ہیں قاضی نہیں۔ اس لیے کہ قاضی کو تو صرف اپنے ضمیر کی رضا اور تنفیذ قانون مقصود و مطلوب ہونا چاہیئے۔ جو قاضی اس کے سوا کسی اور چیز مثلاً شہرت۔ رفعت۔ لوگوں کی رضا کا طالب ہوگا وہ قضاء کا اہل نہیں۔ لیکن بیدار رائے عامہ جو محکمہ تشریعیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محکمہ تنفیذیہ اور محکمہ قضاء پر نگاہ رکھے جو انہیں بھٹکنے سے بچائے اس کی فضیلت وافادیت مسلمہ ہے۔ ایک اور اہم ترین امر جو عدالتوں کی آزادی پر ضرب کاری لگاتا ہے وہ قاضیوں کی تقرری۔ ترقی۔ تنزلی کا کسی ایک شخص کو اختیار دینا ہے جو قضاۃ کو اس شخص کی رضا کا حریص بناتا ہے اور اس طرح عدالت انتظامیہ کی ممد و معاون اور اس کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بن کر رہ جاتی ہے اس کا سد باب کرنے کے لیے قاضیوں کے ترقی تنزلی۔ تقرر و تبادلہ کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مقرر ہونے چاہئیں جن میں کسی کو مداخلت کرنے کا اختیار نہ ہو۔ عدالت پر اثر انداز ہونے کی ایک اور جہت فریقین میں سے کسی ایک کا قاضی کا ہم عقیدہ یا سیاسی ہم خیالی ہونا بھی ہے لہٰذا قاضی کو ایسے تعصب سے بالاتر ہونا بھی ضروری ہے۔

اسلامی تاریخ میں امام ابویوسف رضی اللہ عنہ سے جو ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ تھے مروی ہے کہ آپ بوقت وفات اکثر استغفار کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے اس امر کا والی بنایا گیا۔ میں کسی فریق کی طرف بھی مائل نہیں ہوا مگر ایک نصرانی کے مقدمہ میں جو ہارون رشید کے ساتھ تھا اس مقدمہ میں میں نے نصرانی کے حق میں فیصلہ دیا جب کہ میری تمنا یہ تھی کہ کاش حق رشید کی جانب ہوتا اے اللہ اس میلان قلبی پر میں تجھ سے استغفار کرتا ہوں یہ کہا اور رونے لگے، حاشیہ ابن عابدین جلد ۴) استقلال قضاء کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ قاضی کو قانون کی نص کی پابندی کرنی چاہیے یا اپنی ضمیر کی جب کہ نص قانونی اور اپنے ضمیر و وجدان میں تعارض محسوس کرتا ہو۔ اس بارے میں دو نظریے ہیں ایک یہ کہ اصل مقصد عدالت ہے۔ قوۃ تشریعیہ۔ قوۃ نافذہ۔ محکمۂ قضاء ان سب کا اصل ہدف انصاف کو قائم کرنا ہے۔ نصوص قانونیہ کا مقصد بھی عدل و انصاف کو قائم کرنا ہے لہٰذا ایسے موقع پر نص قانون کی پرواہ کیے بغیر مقصد اصلی یعنی عدالت کو ترجیح دے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قانون ہی وہ پناہ گاہ ہے جس کی طرف مظلوم پناہ لیتے ہیں۔ قانون ہی کی یہ شان ہے کہ لوگوں کا اطمینان اسی کی تطبیق میں حاصل ہوتا ہے اس لیے کسی انسان کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اسے یہ حق نہیں دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاسکتا کہ عدل و انصاف کا نام لے کر نصوص قانونیہ میں اپنی رائے کو دخل دے لہٰذا اسے قانون کی نص سے ایک بال برابر بھی ہٹنا نہیں چاہیئے جس طرح قانون ساز ادارے کو قاضی کے وجدان میں دخل کا حق نہیں اسی طرح قاضی کے وجدان کو ادارہ تشریعیہ کے حقوق میں مداخلت کا حق نہیں۔ اگر ہم قاضی کو ایسا حق دے دیں تو دوسرے قاضی کا ضمیر کچھ اور کہیگا اور تیسرے کا ضمیر کچھ اور اسطرح قانون مکدر ہو کر رہ جائے گا۔ اہل حق کا موقف یہی ہے کہ عدالت اور قانون لازم ملزوم ہیں۔ ایک ماہر قاضی وہی ہے جو قانون اور عدالت میں تطبیق دے دے۔ حرج کمزور کو ہی پیش آتا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ما احرجت مرۃ الا وتخلصت۔ میں کبھی حرج میں نہیں پڑا مگر یہ کہ اس سے نکل گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اما احرجت قط۔ میں کبھی حرج میں پڑا ہی نہیں کہ نکلنے کی ضرورت پڑے تاہم اس فقہی قاعدے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لاینکر تغییر الاحکام بتغیر الزمان۔ یعنی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زمانوں کے بدلنے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں لہٰذا قاضی کو ہمیشہ چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے قانون کی نص اور عدالت کے درمیان تطبیق و توفیق کی کوشش کرے۔

قاضی کا انتخاب و تقرر

افلاطون نے اپنی کتاب الجمہوریۃ میں قاضی اور طبیب کو برابر کیا ہے کہ دونوں معاشرے کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں طبیب جسمانی بیماریوں کا اور قاضی روحانی و اخلاقی بیماریوں کا۔ اسی کی تائید حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس قول سے ہوتی ہے یحدث للناس من الاقضیۃ بقدر ما یحدثون من الفجور۔ یعنی لوگوں میں جس قدر بداخلاقی بڑھے گی اسی قدر تنازعات و خصومات کی بھرمار ہو گی۔ لہٰذا قاضی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا ہاتھ معاشرہ کی اخلاقی نبض پر ہو۔ اسے نفوس بشریہ کے قواعد اور میلانات رجحانات و احساسات طبائع و غرائز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر گہری نظر ہو معاشرے کی عادات اخلاق اور ان کے عرف کا جاننے والا۔ لوگوں کے قصص حکایات اور امثال سے واقف ہو، لہٰذا المستشار محمد فتحی کا اپنی کتاب "علم النفس الجنائی" میں یہ قول کہ قاضی کا علم النفس سے جاہل ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی طبیب اعضا کے وظائف سے جاہل ہو۔ قاضی کا صرف مواد قانون کو پڑھ لینا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی طبیب ہر مرض کی دوا کو یاد کرلے اور اسے مرض کی تشخیص۔ اختلاف طبائع اور اس کے مطابق دواؤں کی تعیین کا پتہ نہ ہو۔ لہٰذا اس ذمہ داری کے اٹھانے کی اہلیت وہی رکھتا ہے جو علم، عقل اور معرفت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہو۔ امام زہری سے روایت ہے کہ تین باتیں ہیں جس میں یہ ہونگی وہ قاضی نہیں بن سکتا وہ لوگوں کی ملامت سے ڈرتا ہو (۲) اپنی تعریف کو پسند کرتا ہو (۳) اپنی معزولی سے کراہت کرتا ہو۔ "مجمع الانہر" میں ہے القضاء بالحق من اقوی الفرائض ، وافضل العبادات بعد الایمان باللہ حق کا فیصلہ کرنا یہ سب سے قوی فریضہ اور ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عبادت ہے نیز ۔ والحاکم نائب اللہ فی انصاف المظلوم من الظالم ۔ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے میں حاکم اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا نائب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کا کام ہی اللہ کی کتاب کے مطابق حکم کرنا بتایا ہے۔

انا انزلنا التوراۃ فیہا ھدی ونور یحکم بہا النبیون۔

قاضی ایسا شخص ہونا چاہیئے جو دین داری کی وجہ سے حرام سے بچتا ہو لوگوں کو اس کی دینداری۔ پاکدامنی عقل وصلاحیت پر اعتماد ہو۔ سخت مگر بد خلق نہ ہو نرم مگر کمزور نہ ہو۔ قاضی بد مزاج جھگڑالو نہ ہو کیونکہ قضاء دفع فساد ہے اور یہ عین فساد ہیں۔ لہٰذا سلطان کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو تلاش کرکے جو سب سے بہتر ہو اسے قاضی بنائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من تلد انسانا عملا وفی رعیتہ من ھو اولی منہ۔ فقد خان اللہ ورسولہ وخان جماعۃ المسلمین۔ جس نے کسی کو عامل بنایا حالانکہ لوگوں میں اس سے بہتر موجود ہو تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے خیانت کی اور تمام مسلمانوں سے خیانت کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ من استعمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاجرا وهو يعلم انه فاجر فهو فاجر مثله - جس نے کسی فاجر کو جانتے ہوئے کہ فاجر ہے عامل بنایا تو وہ بھی اسی کی طرح فاجر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعب بن سعد ازدی کی ذکاوت کو دیکھ کر اسے فوراً قاضی مقرر کر دیا ہوا یوں کہ کعب حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک عورت آکر کہنے لگی میں نے اپنے خاوند سے افضل کوئی نہیں دیکھا وہ رات کو قیام میں دن کو روزے میں بسر کرتا ہے حضرت عمرؓ نے اس کے لیے استغفار کرتے ہوئے اس کے اپنے خاوند کے ذکر خیر کو پسند کیا اس پر کعب نے چپکے سے آپکے کان میں کہا یا امیر المومنین یہ عورت اپنے خاوند کی شکایت کر رہی ہے کہ وہ اس کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا ایسا ہی ہے تو کعب نے کہا جی ہاں۔ آپ نے عورت سے فرمایا تو سچ کہتی ہے ان کا خیال ہے کہ تو اپنے خاوند کی شکایت کر رہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں میں ایک جوان عورت ہوں اور عورتوں کی طرح خواہش رکھتی ہوں۔ اس پر حضرت عمر کعب کی ذکاوت پر خوش ہوئے اس کے خاوند کو بلایا اور کعب کو ان کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ کعب نے کہا میں چار دنوں میں سے ایک دن بیوی کا اور باقی تین دن اس کی عبادت کے لیے مقرر کرتا ہوں آپ نے اس کے فیصلہ کو پسند فرمایا اور کعب کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا پس قاضی کا انتخاب اس کی معاملہ فہمی حکم کی علت اور اسباب کے سمجھنے پر ہوا۔ اس سلسلہ میں بہتر بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب ہے جو آپ نے اپنے گورنر مصر اشتر نخعی کو لکھا تھا آپ نے لکھا۔ ثم اختر للحکم بین الناس افضل رعیتك فی نفسك ممن لا تضیق به الامور- ولا تمحکه الخصوم- ولا یتمادی فی الزلة ولا یحصر من الفئ الی الحق اذا عرفه ولا تشرف نفسه علی طمع- ولا یکتفی بادنی فهم دون اقصاه واوقفهم فی الشبهات وآخذهم بالحجج واقلهم تبرما بمراجعة الخصم واصبرهم علی تکشف الامور واصرمهم عند اتضاح الحکم ممن لا یزدهیه اطراء- ولا یستمیله اغراء واولئك قلیل- ثم اکثر تعاهد قضائه وافسح له فی البذل ما یزیل علته وتقل معه حاجته الی الناس واعطه من المنزلة لدیك ما لا یطمع فیه غیره من خاصتك- لیأمن بذلك اغتیال الرجال له عندك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فانظر فی ذلک نظرا ابلیغا۔ یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کر جو تیری رعیت میں تیرے نزدیک علم۔ خلق اور فہم میں سب سے افضل ہو۔ گہری سوچ رکھتا ہو۔ معاملہ فہمی میں پوری کوشش کرتا ہو۔ متخاصمین کی کسی بات پر بھڑک نہ اٹھے یعنی ٹھنڈے دل و دماغ والا ہو۔ وسیع الصدر ہو کہ معاملہ کی تہ تک پہنچنے میں جلد بازی نہ کرے۔ شبہات سے خوب واقف ہو۔ مغرور اور خود پسند نہ ہو یہ تو قاضی کے واجبات ہیں قاضی کا حق یہ ہے کہ مادی طور پر اسے اتنا غنی کر دیا جائے کہ اسے اپنی ضروریات زندگی کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے اور معنوی طور پر اس کے مرتبہ اور منصب کو اتنا بلند کر دیا جائے کہ اسے اپنی ضروریات زندگی کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے اور اس کے احکامات و فیصلہ جات کو ایسا تقدس حاصل ہو کہ انہیں نافذ کرنے میں حکومت و سلطنت کی کوئی مصلحت بھی مانع نہ ہو سکے۔ اس کے بغیر آزادی اور جمہوریت کا مفہوم ختم ہو جاتا ہے اور حق صرف طاقتور کے لیے رہ جاتا ہے پس قاضی کا انتخاب ایک اہم ترین معاملہ ہے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا جس نے کسی فاجر کو یہ جانتے ہوئے کہ فاجر ہے عامل بنایا تو وہ خود بھی اس کے مثل فاجر ہے صدر اسلام میں صرف خلیفہ ہی قاضی کا تقرر کرتا تھا۔ سب سے پہلے حضرت عمرو ابن عاص والی مصر کو مصر کے لیے قاضی مقرر کرنے کا اختیار دیا بعد ازاں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ کبھی خلیفہ کی طرف سے تقرر ہوتا اور کبھی اس کا نائب بھی اپنی ولایت میں تقرر کر دیتا ہارون رشید کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ بھی ایجاد ہوا اور اس عہدہ پر سب سے پہلے مقرر ہونے والے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ تھے اور ہارون رشید نے امام ابو یوسف کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار بھی دے دیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی کی ہیبت و حرمت

قاضی کی ہیبت اور حرمت قائم کرنے کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ اس کے فیصلوں کو مانا جائے اور کسی کو ان پر عمل کرنے کے بغیر چارہ نہ ہو اس لیے کہ حکم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے" ان الحکم الا للہ " نیز فرمایا یاداؤد انا جعلناك خليفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ۔ اسی لیے عدالت کو توہین و تحقیر سے محفوظ و مامون رکھنے کے لیے قوانین وضع کیے جاتے ہیں ۔ قرآن کریم نے بھی اس سلسلہ میں " فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجد وا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما فرماکر قاضی اور اس کے حکم کے احترام کو لازم قرار دے دیا۔ تیسری صدی ہجری عہد رشید میں عدالت کی عزت اور وقار کا خاص خیال رکھا جاتا تھا ۔ ایک شخص قاضی واسط ابوالموفق سیف بن جابر کی عدالت میں آکر بیہودہ بولنے لگا قاضی نے اسے قید کر دیا۔ سلیمان نے اس کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اسے اپنی ذات کے لیے قید کر دیا ہے آپ اسے چھوڑ دیں۔ قاضی نے کہا واللہ میں نے اسے اپنی ذات کے لیے قید نہیں کیا ۔ اگر میں قاضی نہ ہوتا اور مجھے گالی دیتا تو میں اسے کچھ نہ کہتا میں نے اسے مسلمانوں کے مفاد میں قید کیا ہے ۔ اس لیے کہ قاضی کی اہانت اس کے فیصلوں کی اہانت ہے جو تمام مسلمانوں کی اہانت پر منتج ہے اصمعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں ایسے شخص کو قاضی بناؤں گا جسے دیکھ کر مجرم مرعوب ہو جائے ۔

روایت ہے کہ ہارون رشید حیرہ آیا اور چالیس دن مقیم رہا تو حیرہ کے تمام اشراف و حکام اس کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن وہاں کا قاضی قاسم بن معن نہیں آیا ۔ فضل نے کہا امیرالمؤمنین سب اشرف و عمائدین شہر حاضر ہوئے لیکن قاضی نہیں آیا ۔ رشید نے کہا میں نہیں سمجھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واللہ میں اسے معزول نہیں کروں گا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خلافت امویہ اور عباسیہ میں حکام امراء۔ وزراء اور ولاۃ کا عزل وحبس بکثرت ہوتا رہتا تھا لیکن قاضیوں کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ کیونکہ جمہور کے ڈر سے قاضی کو معزول کرنے کے لیے خلیفہ کو بہت سوچنا پڑتا تھا۔ قاضی ابوداؤد کی عدالت میں ابراہیم بن مہدی کے خلاف بخت یشوع طبیب کا مقدمہ پیش تھا۔ ابراہیم نے بخت یشوع سے سخت کلامی کی تو قاضی نے اسے ڈانٹا اور عدالت کی توقیر و تعظیم ملحوظ رکھنے کا حکم دیا تو ابراہیم نے فوراً معذرت کی اور سخت کلامی کے عوض ابراہیم اپنے حق سے دست بردار ہوگیا اور متنازعہ زمین سے اپنا حق بخت یشوع کو ہبہ کر دیا۔

امتناع عن القضاء

منصب قضاء جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بھی مشکل ترین ہے اسی لیے اکثر اکابرین اسے قبول کرنے سے محترز رہے۔ اسلامی تاریخ اس کے شواہد سے پر ہے اس کی وجہ وہ تحذیر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بایں الفاظ صادر ہوئی۔ قاض فی الجنۃ وقاضیان فی النار۔ ایک قاضی جنت میں ہوگا اور دو قاضی جہنم میں ہوں گے۔ ایک وہ جو بوجہ جہالت غلط فیصلہ دے دوسرا وہ جو دانستہ ظلماً غلط فیصلہ دے صرف وہ قاضی جنت کا مستحق ہے جو علی وجہ البصیرۃ صحیح فیصلہ دے۔ دوسری حدیث پاک میں آیا "من ولی القضاء فقد ذبح بغیر سکین۔ جو قاضی بنایا گیا اسے تو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا نیز فرمایا الولایۃ اولہا ملامۃ ووسطہا ندامۃ وآخرہا عذاب یوم القیامۃ لیث بن سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، من ولی ولایۃ فاحسن فیہا او ساء اتی بہ یوم القیامۃ وقد غلت یمینہ الی عنقہ فان کان عدلا فی احکامہ اطلق من اغلالہ وجعل فی ظل عرش الرحمن وان کان غیر عدل فی احکامہ غلت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شماله الی یمینہ فی عرقہ حتی یغرق فی جہنم ۔ مسئولیۃ قضاء کو قرآن کریم میں بدیں الفاظ بیان کیا گیا یا ایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ ۔ شہداء بالقسط ۔ ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا ۔ اعدلوا ہو اقرب للتقوی ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ عہدہ متعدد مرتبہ پیش کیا گیا آپ نے انکار کر دیا اور وقت وفات تک انکار پر قائم رہے ۔ اسی طرح قاسم بن ربیعہ عبداللہ بن وھب ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۔ مصعب بن عمران محمد بن عبدالسلام الخشنی ۔ ابن فروغ وغیرہم وہ متقی علماء و فضلاء تھے جنہوں نے بجہت ورع وتقوی اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عہدہ قضاء کا قبول کرنا ناجائز ہے نہیں بلکہ مصالح عامہ کیلیے ضروری ہے ۔ ان روایات کا مقصد منصب قضاء کی اہمیت کو واضح کرنا ہے قاضی بنانیوالے کو تنبیہ کرنا ہے کہ اہل ۔ ایماندار ، متقی اور غیر متعصب کو قاضی بنائے اور قاضی بننے والے کو خبردار کرنا ہے کہ اس منصب کو مادی جلب منفعت کا ذریعہ سمجھ کر قبول نہ کرے بلکہ اس کی نیت اقامۃ عدل حق رسانی اور ازالہ ظلم ہو جیسا کہ زیاد بن عبدالرحمٰن کے بارے میں مروی ہے کہ جب خلیفہ ہشام نے اسے قاضی بننے پر مجبور کیا تو زیاد نے کہا اگر آپ مجھے مجبور ہی کرتے ہیں ۔ تو میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میرے پاس آپ کے ظلم کی شکایت لے کر آیا تو میں تمہارے ہاتھ سے اس کا حق چھین کر اسے واپس کر دوں گا ۔ ہشام نے یہ شرط قبول کی تو زیاد نے یہ عہدہ قبول کیا ۔

الحکام قدوۃ القضاء

حدیث پاک ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب راعی یعنی حاکم ٹھیک ہوگا تو رعیت بھی ٹھیک ہوگی۔ پس حکام خواہ بادشاہ ہوں خلیفہ یا امیر صالح ہوں گے تو قوم بھی صالح ہوگی اگر یہ فاسد ہوں گے تو قوم بھی فاسد ہوجائے گی اسی طرح قاضی بھی عدل وانصاف قائم کرنے میں عموماً اپنے حکام کے تابع ہوتے ہیں۔ صالح حاکم اقامت عدل میں صالح قاضی سے تعاون کرے گا اگر حاکم کا دل عدل وانصاف کی روح سے عاری ہوگا تو اس کا قاضی بھی عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گا۔ اس لیے کہ قاضی اپنے فیصلوں کی تنفیذ میں حکومت کی قوت کا محتاج ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود پیکر عدل و انصاف تھے تو ان کی سلطنت کے چپہ چپہ پر عدل کا سکہ چلتا تھا۔ حضرت عمرو بن عاص جو ایک جلیل القدر صحابی۔ فاتح مصر ہیں ان کا لڑکا مصر میں ایک قبطی کو اس لیے مارتا ہے کہ قبطی اس سے سبقت کیوں لے گیا۔ قبطی مدینہ آکر خلیفہ سے شکایت کرتا ہے حضرت عمرؓ بلا تاخیر عمرو بن عاصؓ اور اس کے بیٹے کو مصر سے طلب کر لیتے ہیں اور قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دے کر کہتے ہیں کہ مار اس شریف زادہ کو اور دنیا نے دیکھا کہ ایک فاتح غالب گورنر کے بیٹے کو ایک مفتوح مغلوب قوم کا فرد سب کے سامنے کوڑے مار کر اپنا بدلہ لے رہا ہے اس کے بعد حضرت عمر نے والی مصر عمرو بن عاص کو جو فقرہ کہا وہ عدل وانصاف کی دنیا میں آج بھی ضرب المثل ہے یا عمرو متی استعبدتم الناس وقد ولدتھم امھاتھم احرارا۔ اے عمرو تم نے لوگوں کو جن کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے کب سے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اور حضرت عمر کا یہی فقرہ آج اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے چارٹ کی بنیاد ہے۔ یہ ہے اسلامی عدل کا نمونہ جس کی مثال پیش کرنے سے آج کی متمدن قومیں بھی قاصر ہیں۔ جب کہ اسلامی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے پر ہے غسانی بادشاہ جبلہ طواف کر رہا تھا اس کی چادر کسی دیہاتی کے پاؤں کے نیچے آگئی جبلہ نے دیہاتی کو طمانچہ دے مارا۔ دیہاتی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کر دی آپ نے جبلہ کو طلب کر کے دیہاتی کو کہا اسے طمانچہ مار جبلہ نے کہا میں امیر ہوں اور یہ عام آدمی ہے آپ نے فرمایا الاسلام سارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینکما" اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے۔ لامحالہ ایسے عادل حاکموں کے قاضی بھی ایسے ہی عادل ہوں گے اسی لیے صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا۔ "ولا تظنوا انی ملکت البلاد بسیوفکم بل بقلم القاضی الفاضل" تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہاری تلواروں کے ذریعہ ان ملکوں کا مالک بنا ہوں۔ نہیں بلکہ قاضی فاضل کے قلم کے ذریعہ بنا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آپ کی خلافت کے عہد میں ایک ذمی سے تنازع تھا دونوں قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوئے شریح کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا یہ تمہاری پہلی ناانصافی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ رات کو گر گئی ایک یہودی کے ہاتھ آ گئی وہ اسے بازار میں فروخت کر رہا تھا آپ نے دیکھ لی فرمایا اے یہودی یہ زرہ تو میری ہے نہ میں نے بیچی اور نہ ہبہ کی۔ یہودی نے کہا میرے قبضہ میں ہے میری ہے قاضی شریح کی عدالت میں دونوں پیش ہوئے قاضی نے آپ سے گواہ طلب کیے تو آپ نے امام حسنؓ کو پیش کیا۔ قاضی نے کہا بیٹے کی گواہی باپ کے لیے قابل قبول نہیں اور یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ یہودی یہ دیکھ کر کہ خلیفہ کا قاضی اپنے خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے رہا ہے مسلمان ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگوں میں شریک رہا۔ ایک ذمیہ عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے حضرت علی سے کہا اے ابوالحسن اپنی مدعیہ کے برابر کھڑا ہو جا۔ آپ کو ناگوار گزرا۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ دینے کے بعد کہا اے ابوالحسن کیا تمہیں اپنی خصم کے برابر کھڑا ہونا ناگوار ہوا آپ نے کہا یہ گر نہیں بلکہ آپ نے مجھے ابوالحسن سے اور اسے نام سے مخاطب کیا مجھے یہ ناگوار ہوا۔ پس جن خلفاء کے اپنے عدل و انصاف کا یہ حال ہوگا ان کے قاضی عدل و انصاف کے اعلیٰ نمونہ پر کیوں نہ فائز ہوں گے کیونکہ الحکام قدوۃ القضاۃ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاتمہ

اب بعض ضروری احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن پر اسلام کے نظام قضاء کی بنیاد ہے۔

عہدہ قضاء کی خواہش: عن انس .من سال القضاء وکل الی نفسہ ومن جبر علیہ ینزل علیہ ملک یسددہ (ابوداؤد، ترمذی)

جس نے عہدہ قضاء مانگ کر لیا اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا گیا اور جسے جبراً دیا گیا اس پر ایک فرشتہ مقرر کیا جائے گا جو اسے ٹھیک رکھے گا۔

عن ابی ہریرۃ: من طلب قضاء المسلمین حتی ینالہ ثم غلب عدلہ جورہ فلہ الجنۃ ومن غلب جورہ عدلہ فلہ النار (ابوداؤد)

جو شخص مانگ کر قضاء حاصل کرے پھر اس کی ناانصافی پر اس کا عدل غالب آگیا اس کے لئے جنت ہے اور جس کے عدل پر ناانصافی غالب آگئی اس کے لئے جہنم ہے۔

عن ابن ابی اوفیٰ: اللہ مع القاضی مالم یجر فاذا جار تخلی عنہ ولزمہ الشیطان (ترمذی)

قاضی جب تک ناانصافی نہ کرے اللہ تعالے اس کے ساتھ ہوتا ہے جب ناانصافی کرتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان کو اس کے ساتھ کر دیتا ہے۔

صحیح فیصلہ کی کوشش: عن عمرو بن العاص رض اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطاء فلہ اجر۔

اگر قاضی صحیح فیصلہ کی کوشش کر کے صحیح فیصلہ کرے تو دوگنا اجر ہے اور اگر کوشش کے باوجود غلطی کر جائے تو ایک اجر ہے۔

رشوت: عن ابی ھریرۃ وابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن الراشی والمرتشی فی الحکم (ترمذی وابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ میں رشوت دینے اور لینے والے ہر دو پر لعنت فرمائی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں فریقوں کا بیان سنے: عن علی . بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول اللہ ترسلنی و انا حدیث السن و لا علم لی بالقضاء فقال۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنایا میں نے کہا یا رسول اللہ آپ مجھے بھیج تو رہے ہیں مگر میں کم عمر ہوں اور مجھے قضاء کا علم بھی نہیں تو آپ نے فرمایا:

ان اللہ سیھدی قلبک و یثبت لسانک فاذا جلس بین یدیک الخصمان فلا تقضین حتی تسمع من الآخر کما سمعت من الاول فانہ احری ۔

اللہ تعالے تیرے دل کو ہدایت دے گا اور زبان پر فیصلہ ثابت کر دے گا جب دو جھگڑنے والے تیرے سامنے بیٹھیں تو دونوں کی بات سنے بغیر فیصلہ نہ دینا اس طرح

یتبین لک القضاء فما زلت قاضیا و ما شککت فی قضاء بعد (ترمذی و ابو داؤد)

صحیح فیصلہ تمہیں روشن ہو جائے گا اس کے بعد میں برابر قاضی رہا اور کبھی کسی فیصلہ میں تذبذب نہیں پیدا ہوا۔

غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ دے: وعن ابی بکرۃ لا یحکم احد بین اثنین وھو غضبان و فی روایۃ لا یقضین احد بین خصمین وھو غضبان (صحاح ستہ)

غصہ کی حالت میں کوئی شخص بھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ دے۔ دوسری روایت ہے کہ کوئی شخص دو متنازعہ کرنے والوں میں بحالت غصہ فیصلہ نہ دے۔

فریقین میں برابری قائم کرے: عن ام سلمۃ اذا ابتلی احدکم بالقضاء بین المسلمین فلا یقضین وھو غضبان و لیسوّ بینھم بالنظر و المجلس و لا اشارۃ و لا یرفع صوتہ علی احد الخصمین فوق الآخر (المدعی و الکبیر)

کرنے تک میں برابری کرے۔ کسی ایک فریق پہ دوسرے کی نسبت آواز زیادہ بلند نہ کرے۔

قاضی بلائے تو ضرور جائے: عن عمران بن حصین . من دعی الی حاکم من حکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المسلمین فامتنع فهو ظالم او قال لا حق له (بزار)

ترجمہ: جسے کسی مسلمان قاضی نے بلایا اور وہ نہ گیا تو وہ ظالم ہے۔

فیصلے کی تین بنیادیں

عن معاذ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما اراد ان یبعثه الی الیمن قال له کیف تقضی اذا عرض لك قضاء

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھے یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو مجھ سے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آیا۔

قال اقضی بکتاب اللہ تعالی قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال اقضی بسنة رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنة رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ۔

تو کیسے فیصلہ کروگے عرض کی کتاب اللہ سے فیصلہ دوں گا فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملے تو عرض پھر سنت رسول اللہ سے فیصلہ دوں گا فرمایا اگر اس میں بھی نہ ملے۔

قال اجتهد رائی ولا آلو فضرب رسول اللہ صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ۔

عرض کی پھر اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا الحمد للہ کہ اس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو رسول اللہ کی مرضی کے مطابق چلنے کی توفیق بخشی (ابو داؤد ، ترمذی)

گواہی اور قسم: عن عمرو بن العاص۔ البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه۔ مدعی کے ذمہ گواہ اور مدعا علیہ پر قسم ہے۔

کس کی گواہی نامقبول ہے: عن عائشة رفعته لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حد اولا ذی غمر علی اخیه ولا مجرب شهادة۔ ولا القانع لاهل البیت۔ والاظنین فی ولاء ولا قرابة۔

مندرجہ ذیل کی گواہی جائز نہیں۔ خائن۔ خائنہ جسے کسی حد میں کوڑے لگے ہوں جسے اپنے بھائی سے کینہ ہو جس کی جھوٹی گواہی آزمودہ ہو۔ جو گھر والوں کا تابع ہو ملازم وغیرہ جو دوستی یا قرابت کے معاملہ میں متہم ہو۔ (ترمذی)

جھوٹی گواہی: عن ایمن بن خریم یا ایها الناس عدلت شهادة الزور اشراکا باللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ ثم قرء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔

اے لوگو۔ جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ پڑھی کہ بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)۔

بہترین گواہ: عن زید بن خالد الا اخبرکم بخیر الشہداء الذی یاتی بشہادتہ قبل ان یسئلھا۔

میں تمہیں بتا نہ دوں کہ سب سے بہتر گواہ کونسا ہے۔ وہ ہے جو اپنی گواہی قبل اس کے کہ اس سے اس کی درخواست کی جائے پیش کر دے۔

گواہی چھپانا: عن ابی موسیٰ من کتم شہادۃ اذا دعی الیھا کان کمن شہد بالزور (کبیر، اوسط)

جس شخص کو گواہی کے لئے طلب کیا گیا اور وہ شہادت کو پوشیدہ رکھے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے جھوٹی گواہی دے۔

گواہی اور قسم پر فیصلہ: عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضا بیمین وشاھد (مسلم۔ ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی پر فیصلہ فرمایا اور قسم پر بھی فیصلہ فرمایا:

ایک عورت کی گواہی کا موقعہ: عن حذیفۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ القابلۃ (اوسط)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کی ولادت میں ایک دائی کی شہادت کو جائز قرار دیا۔

جرم ثابت ہونے تک حبس: عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حبس رجلا فی تہمۃ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کسی تہمت میں قید کر دیا (ابوداؤد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغیر علم گواہی دینا: عن ابی هریرة من اعان علی خصومة وهو لا یعلم احق او باطل فهو فی سخط الله حتی ینزع ومن مشی مع قوم یری انه شاهد ولیس بشاهد فهو کشاهد زور (اوسط)

جو کسی جھگڑے میں اعانت کرے اور اسے علم نہ ہو کہ حق ہے یا باطل تو اس وقت تک اللہ کی ناراضی میں رہتا ہے جب تک اس سے الگ نہ ہو جائے۔

اور جو شخص گواہ نہیں مگر اس فریق کے ساتھ ایسے جائے کہ لوگ اسے گواہ سمجھیں تو اس کا شمار جھوٹے گواہوں میں ہو گا۔

ظالم کی اعانت ممنوع ہے: عن اوس بن شرحبیل۔ من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام (الکبیر)

جو کسی ظالم کی مدد کرنے گیا یہ جانتے ہوئے کہ ظالم ہے وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

حدود اللہ کے قائم کرنے میں سب کی نجات ہے: عن نعمان بن بشیر رفعه: مثل القائم فی حدود الله والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها فکان الذی فی اسفلها اذا استقوا من الماء مروا علی من فوقهم فقالوا لو انا خرقنا فی نصیبنا خرقا ولم نوذ من فوقنا فان ترکوهم وما ارادو هلکو جمیعا وان اخذوا علی ایدیهم نجوا جمیعا (ترمذی۔ بخاری)

حدود اللہ کو نافذ کرنے والوں اور جن پر نافذ ہوں دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے جہاز میں جگہ لی بعض نے نچلے درجہ میں بعض نے اوپر کے درجہ میں نیچے والوں کو پانی کی ضرورت ہوئی۔ اوپر والوں سے جا کر کہا کہ ہم پانی لینے کے لئے اپنے درجہ میں سوراخ کرتے ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں اگر اوپر والے ان کو ایسا کرنے کی آزادی دے دیں تو سب ہلاک ہوں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں یعنی ان کو روک دیں تو سب بچ جائیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثبوت میں شبہ ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے: عن عائشۃ رفعتہ ادروا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطی فی العفو خیر لہ من ان یخطی فی العقوبۃ (ترمذی)

جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں کو حدود سے بچاؤ۔ کوئی صورت اگر اس سے بچانے کی نکل سکے تو بچاؤ۔ اس لیے کہ امام کے لیے

معافی میں چوک جانا سزا میں چوک جانے سے بہتر ہے۔

عن ابی شریح الخزاعی رفعہ: من اصیب بقتل اوخبل فانہ یختار احدی ثلث اما ان یقتص واما یعفو واما ان یاخذ الدیۃ فان اراد الرابعۃ فخذوا علی یدیہ ومن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب عظیم۔ (ابوداود)

لیے۔ اگر کوئی چوتھی صورت اختیار کرنا چاہے تو اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ جو اس کے بعد زیادتی کرے گا تو بہت بڑے عذاب کا مستحق ہو گا۔

ایک بیکس کو کئی آدمی قتل کر دیں: عن ابن عمرؓ۔ ان غلاما قتل غیلۃ فقال عمر لو اشترک فیہ اھل صنعاء لقتلتھم (بخاری)

ایک نوجوان کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اگر اس کے قتل میں اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔

قسامہ: عن اناس من الصحابۃ ان القسامۃ کانت فی الجاھلیۃ فاقرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ما کانت فی الجاھلیۃ وقضی بھا بین ناس من الانصار فی قتیل دعوہ علی یھود خیبر (مسلم نسائی)

قسامت زمانہ جاہلیت کا ایک طریقہ تھا۔ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں باقی رکھا۔ اس کے مطابق انصار کے ایک مقتول کا فیصلہ فرمایا۔ جس کا الزام انصار نے خیبر کے یہود پر لگایا تھا۔

مرتد کے ساتھ سلوک: عن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ بن عبد القاری عن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابیہ قال قدم علی عمر رجل من الیمن من قبل ابی موسیٰ وکان عاملاً لہ فیسالہ عمر عن الناس ثم قال ھل کان فیکم من مغربہ خبر۔ قال نعم رجل کفر بعد اسلامہ قال فماذا فعلتم بہ۔ قال قربناہ نضربنا عنقہ قال فھلا حبستموہ ثلاثاً واطعمتموہ کل یوم رغیفاً وستتیبوہ لعلہ یتوب ویرجع الی امر اللہ۔ اللھم انی لم احضر ولم آمر ولم ارض اذا بلغنی۔

ایک شخص یمن سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کے عامل ابو موسیٰ کی طرف سے آیا۔ آپ نے لوگوں کا حال پوچھا اور کہا کوئی نئی بات بھی ہوئی ہے اس نے کہا ہاں۔ ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گیا۔ آپ نے کہا پھر تم نے کیا کیا۔ اس نے کہا ہم نے اسے بلا کر اس کی گردن مار دی آپ نے کہا تم اسے تین دن قید میں رکھتے کھانا کھلاتے اور توبہ کی ترغیب دیتے شاید وہ تائب ہو کر دین حق قبول کر لیتا۔ اے اللہ میں اس واقعہ میں موجود نہیں تھا۔ نہ میں نے حکم دیا اور نہ میں اس سے راضی ہوں۔

کنوارے زانی کی سزا: عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرب وغرب وان ابا بکر ضرب وغرب وان عمر ضرب وغرب (ترمذی)

(کنوارے زانی) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا ابو بکر صدیق نے بھی کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا عمر فاروق نے بھی کوڑے مارے اور شہر بدر کر دیا۔

شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا رجم ہے: عن بریدۃ انہ حفر لہ حفرۃ ثم امر بہ فرجم فجاءت الغامدیۃ فقالت یا رسول اللہ انی زنیت فطھرنی... فقالت ھذا یا نبی اللہ قد فطمتہ وقد اکل الطعام فدفع الصبی الی رجل من المسلمین ثم امر بھا فحفر لھا الی صدرھا وامر الناس فرجموھا (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

ماعز کے رجم کیے جانے کے بعد غامدیہ آئی اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے بھی زنا کیا ہے مجھے بھی پاک کر دیں اور یہ بچہ یا نبی اللہ کھانا کھانے لگا ہے آپ نے بچہ کسی مسلمان مرد کے سپرد کیا پھر اس کے بارے میں حکم دیا کہ سینہ تک گڑھا کھودیں اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔

سزا دیتے وقت چہرہ کو بچائیں: عن ابی ھریرۃ اذا ضرب احدکم فلیتق الوجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(ابوداؤد)

جب کسی کو سزا دی جائے تو چہرہ کو بچانا چاہیئے۔

قانون میں سب برابر ہیں: عن عائشۃ ان قریشا اھمھم شان المرءۃ المخزومیۃ التی سرقت فقالوا من یکلم فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ومن یجتری علیہ الا اسامۃ حبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام فاختطب فقال انما ھلک الذین من قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مخزومیہ قریشیہ عورت کی وجہ سے قریش پریشان ہوئے جس نے چوری کرلی تھی۔ کہ اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سفارش کرے۔ آپ کے محبوب حضرت اسامہ کے بارے میں کہا کہ یہ جراٴت بھی کر سکتے ہیں چنانچہ اسامہ نے سفارش کی تو آپ نے فرمایا کیا تم حدود اللہ کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے برباد ہوئے کہ ان میں کوئی صاحب وجاہت چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی بیکس چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ خدا کی قسم اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کر لیتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

چوری کی سزا: السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزاء بما کسبا نکالا من اللہ (سورۃ نور آیت ۲)

چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت۔ دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے جرم کی سزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب۔

زانی مرد عورت کی سزا: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر (سورۃ نور آیت ۲)

(غیر شادی شدہ) زانی عورت ہو یا مرد، ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اللہ کے دین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(کا حکم پورا کرنے میں) تمہارے اندر ان کی ہمدردی نہ آنی چاہیئے اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔

شراب خوری کی سزا: ۔عن ثور بن زید ان عمر استشار فی حد الخمر فقال له علی اری ان تجعله ثمانین فانه اذا شرب سکر واذا سکر هذی واذا هذی افتری فجلد عمر ثمانین (مالک)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کی حد کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ میرے نزدیک اس کی سزا اسی کوڑے ہیں اس لیے کہ جب شراب پی نشہ ہو جب نشہ ہوا تو ہذیان بکا جیکے گا تو بہتان تراشی کرے گا جس کی سزا اسی کوڑے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب خوری کی سزا اسی کوڑے مقرر کی۔

الحمدللہ ہماری اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کا نظام قضاء عدل وانصاف کے اعلیٰ اصولوں پر قائم ہے اور اس سطح زمین پر عدل وانصاف کی اعلیٰ اقدار کی بنیاد بھی مسلمانوں نے ہی رکھی اور عدالتوں کے لیے جو اصول وضوابط اسلام نے مقرر فرما دیے ہیں حقیقی امن وامان ان پر عمل پیرا ہوئے بغیر قائم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ صرف زبان سے دعویٰ کی بات نہیں بلکہ مسلمانوں کے متقی و پرہیزگار قاضیوں نے ان پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔

فالحمد للہ علی ذلك والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقه محمد وعلی آله واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی نظامِ عدل کے نفاذ مشکلات اور اُن کا حل

تالیف :- مولانا سید محمد متین ہاشمی ڈائریکٹر ریسرچ سیل

اسلامی نظام اور مغربی نظام عدل کا بنیادی اور نظریاتی فرق موجودہ دور اور اس کے نفاذ میں حائل مشکلات ان کو کیسے ہٹایا جا سکتا ہے ؟ مغربی نظام عدل کی خامیاں اور اسلامی نظام عدل کی کامیابی کے واضح احکامات پر ایک پرمغز کتابچہ۔

ناشر مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القصاص فی الفقہ الاسلامی

تالیف

ڈاکٹر احمد فتحی بہنسی

ترجمہ

سید عبدالرحمٰن بخاری

ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری لاہور

یہ کتاب اسلامی قانون قصاص پر ایک مکمل اور مدلّل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر اتنی مفصّل کتاب موجود نہیں ہے یہ کتاب جج، قاضی، وکلاء اور قانون کے طلبہ کے لئے ایک بیش بہا خزینہ ہے۔

مترجم نے ترجمہ نہایت رواں اور عام فہم کیا ہے۔ اس سے معمولی قابلیت کے لوگ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

قیمت ۵۵/= روپے

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

© rasailojaraid.com